اسلام اور مغرب

برطانوی ولی عہد پرنس چارلس کا خطاب

یہ تقریر برطانوی ولی عہد' پرنس چارلس نے ستمبر ۱۹۹۳ میں آکسفورڈ کے مرکز برائے مطالعاتِ اسلامی میں کی۔ تقریر' یا اس کے حصے' بعض رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ ہم اپنے قارئین کے لیے نیا اور صحیح تلخیص شدہ ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

عالمِ اسلام اور مغربی دنیا کے درمیان روابط آج جتنی اہمیت رکھتے ہیں' پہلے کبھی نہ رکھتے تھے۔ آج کی باہم منحصر دنیا میں دونوں کو ساتھ رہنے اور ساتھ کام کرنے کی ضرورت شدید ہے' لیکن دونوں کے درمیان سنگین غلط فہمیاں موجود ہیں' اور ان میں مسلسل اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ مغرب کی غلط فہمیوں کی وجہ اسلام اور مسلمانوں سے ناواقفیت نہیں۔ آخر مسلمان ہمارے ہی آس پاس رہتے ہیں' خود برطانیہ میں پانچ سو مسجدیں ہیں' اور ۱۹۷۶ کے "فیسٹیول آف اسلام" کی یادیں ابھی تازہ ہیں۔

نوّے کے عشرے میں' سرد جنگ کے بعد' امن کے امکانات اس صدی میں کسی دوسرے دور سے زیادہ ہونا چاہییے تھے۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ سابق یوگوسلاویہ میں' صومالیہ' انگولا اور سوڈان میں' اور سابق سوویت جمہوریتوں میں' نفرت اور تشدد نے لوگوں کو مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ بوسنیا کے مسلمانوں پر خوفناک مظالم نے اس خوف اور بد اعتمادی کو نئی زندگی دی ہے جو ہماری دو دنیاؤں کے درمیان پہلے سے موجود ہیں۔

کشمکش اور تنازع کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دونوں فریق ایک دوسرے کی بات نہ سمجھ پا رہے ہوں۔ ہمیں باہمی خوف اور انتشار کے ایک نئے دور میں محض اس لیے نہ داخل ہو جانا چاہییے کہ حکومتیں' عوام' مذاہب اور مختلف طبقات ایک سکڑتی ہوئی دنیا میں پُرامن زندگی گزارنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

مشترک امور

جو مشترک امور اسلام اور مغرب کو قریب کرتے ہیں' وہ ان سے بہت زیادہ طاقتور ہیں جو دونوں کو دُور کرتے ہیں۔ مسلمان' عیسائی' اور یہودی اہل کتاب ہیں۔ اسلام اور عیسائیت ایک خدا پر' اس دنیاوی زندگی کے عارضی ہونے پر' اپنے اعمال کی جوابدہی پر اور اُخروی زندگی پر یقین رکھنے میں یکساں ہیں۔ احترامِ علم وعدل' محروموں سے حسنِ سلوک' اور خاندانی زندگی کی اہمیت ہماری مشترک اقدار ہیں۔ اپنی ماں اور اپنے باپ کی عزت کر' یہ قرآن کا بھی حکم ہے۔

تاریخ کا متضاد نقطۂ نظر

مسئلہ کی ایک جڑ یہ ہے کہ ہماری چودہ سو سال کی تاریخ باہمی کشاکش اور تصادم کی تاریخ ہے۔ اس نے خوف اور بداعتمادی کی ایسی روایت کو جنم دیا ہے کہ ہم تاریخ کو متضاد نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ مغرب کے سکول کے طالب علموں کے لیے صلیبی جنگوں کے دو سو برس اس دلیرانہ جدوجہد کی داستان ہیں' جو یورپ کے بچے بچے نے یروشلم کو "کافر" مسلمانوں سے آزاد کرانے کے لیے کی۔ لیکن مسلمانوں کے لیے صلیبی جنگیں مغرب کے "کافر" سپاہیوں کے ظلم و ستم اور لوٹ کھسوٹ کی داستان ہیں' جس کی بدترین علامت وہ قتل و غارت ہے جو ۱۰۹۹ میں اسلام کے تیسرے مقدس ترین شہر کو واپس لیتے ہوئے صلیبیوں نے برپا کی۔ ہمارے لیے مغرب میں ۱۴۹۲ وہ اہم سال ہے' جب کولمبس نے امریکہ کی نئی دنیا دریافت کی۔ مسلمانوں کے لیے یہ ایک المیہ کا سال تھا' جب فرڈیننڈ اور ازابیلا کے آگے غرناطہ سرنگوں ہوا اور یورپ میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ تہذیب کا خاتمہ ہوا —— اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ سچ کیا ہے' بلکہ یہ ہے کہ دنیا' اس کی تاریخ اور اس میں اپنے کردار کے بارہ میں ہم دوسروں کا نقطۂ نظر نہیں سمجھ پاتے۔

اس کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم ماضی میں اسلام کو فاتح کی حیثیت سے ایک خطرہ سمجھتے رہے' اور اب جدید دور میں اسے عدم رواداری' انتہاپسندی اور تشدّد کا منبع تصور کرتے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ۱۴۵۳ میں جب قسطنطنیہ سلطان محمد کے آگے سرنگوں ہو گیا' اور ۱۵۲۹ اور ۱۶۸۳ میں جب ترک وی آنا کے دروازوں تک پہنچ گئے تھے' تو یورپ کے حکمرانوں پر کیوں لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ عثمانیوں کے دور میں بھی بلقان میں ظلم کی ایسی مثالیں سامنے آئیں جو مغرب کے شعور پر ثبت ہو گئیں۔ مگر یہ یکطرفہ نہ تھا۔ ۱۷۹۸ میں مصر پر نپولین کے حملہ' اور اس کے بعد انیسویں صدی کی فتوحات نے حالات کو پلٹ دیا' اور تقریباً تمام عرب دنیا مغربی طاقتوں کے استعمار کا شکار ہو گئی۔ سلطنت عثمانیہ کے زوال کے ساتھ' اسلام پر یورپ کی فتح مکمل ہو گئی۔

مغرب کا نقطۂ نظر

فتوحات کا دَور تو گزر گیا' لیکن اب بھی اسلام کے بارہ میں ہمارا رویہ درست نہیں ہوا ہے۔ ہماری نظروں میں جو اسلام ہے' یہ وہ ہے جسے انتہا پسندوں نے "اغوا" کیا ہوا ہے۔ مغرب میں ہم میں سے بیشتر اسلام کو لبنان کی خانہ جنگی اور شرقِ اوسط کے انتہا پسند گروہوں کی جانب سے قتل اور بم پھینکنے کی وارداتوں کے' جسے اب عام طور پر اسلامی بنیاد پرستی کہہ دیا جاتا ہے' آئینہ میں دیکھتے ہیں۔ غیر معمولی انتہاؤں کو معمول قرار دے کر ہم نے اسلام کے بارہ میں اپنی رائے کو مسخ کر دیا ہے۔ یہ بڑی سنگین غلطی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے ہم برطانوی معاشرے میں قتل' عصمت دری' نشہ بازی اور بچوں پر ظلم کے واقعات سے یہاں کی زندگی کے بارہ میں رائے قائم کریں۔ انتہاؤں کا وجود کہاں نہیں ہوتا' لیکن اگر انھیں کسی معاشرے کے بارہ میں فیصلہ کرنے کی بنیاد بنا لیا جائے تو حقائق مسخ ہو جاتے ہیں۔

شرعی سزائیں

مثال کے طور پر' اس ملک میں اکثر لوگ کہتے ہیں کہ شرعی قوانین ظالمانہ ہیں اور ہمارے اخبارات بھی ان تعصبات کو بہت شوق سے آگے بڑھاتے ہیں۔ حقیقت یقیناً اس سے بہت مختلف ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہاتھ کاٹنے جیسے انتہائی اقدامات پر شاذ ہی عمل ہوتا ہے۔ اسلامی قانون کی روح اور راہنما اصول' اگر قرآن سے براہِ راست اخذ کیے جائیں تو ہمدردی اور انصاف ہونا چاہئیں۔ اپنا فیصلہ دینے سے پہلے ہمیں ان کے عملی نفاذ کی صورتِ حال کے بارہ میں بھی معلومات حاصل کرنا چاہئیں۔ اس وقت خود اسلامی دنیا میں زیرِ بحث ہے کہ اسلامی قانون کہاں تک آفاقی یا ابدی ہے' اور کہاں تک اس میں نفاذ کے حوالے سے تبدیلی اور ارتقا ہونا چاہیے۔ ہمیں اسلام اور بعض اسلامی ممالک کے رسوم و رواج میں بھی فرق کرنا چاہیے۔

عورت کا مقام

مغرب کا ایک واضح تعصب اسلامی معاشرہ میں خواتین کے مقام کے حوالے سے ہے۔ حالانکہ مصر' ترکی اور شام نے' سوئٹزرلینڈ سے بہت پہلے ہی عورتوں کو ووٹ کا حق دیا۔ ۱۴ سو سال پہلے قرآن نے خواتین کو جائداد' وراثت' تجارت اور طلاق کی صورت میں بعض تحفظات کے حقوق دیے' خواہ ان پر ہر جگہ عمل نہ کیا گیا ہو۔ برطانیہ میں یہ حقوق میری دادی اور ان کے اہلِ خاندان کے لیے بھی نئے تھے۔ خالدہ ضیا اور بے نظیر بھٹو' اپنے روایتی معاشروں میں' اس وقت

وزیر اعظم بنیں جب برطانیہ کی تاریخ میں پہلی خاتون وزیر اعظم کا انتخاب ہوا۔

اسلامی معاشرے میں عورت خودبخود دوسرے درجے کی شہری نہیں بن جاتی۔ بہت زیادہ قدامت پسند ملک میں عورت کے مقام کو دیکھ کر اسلامی معاشرہ میں اس کے مقام کا اندازہ نہیں لگانا چاہیے۔ پردہ کا رواج بھی تمام اسلامی ممالک میں نہیں ہے۔ مجھے یہ جان کر حیرانی ہوئی کہ پردہ کی ابتدا باز نطینی اور ساسانی ادوار میں ہوئی' پیغمبرِ اسلام کے دور سے نہیں۔ بعض مسلمان خواتین سرے سے پردہ نہیں کرتیں۔ بعض نے اسے ترک کر دیا ہے۔ حالیہ دور میں بعض نے' خصوصاً نوجوان نسل نے' پردہ اختیار کیا ہے تو اپنی اسلامی شناخت کے اظہار کے لیے۔

باہمی افہام و تفہیم

ہمیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ اسلامی دنیا ہمارے بارہ میں کیا رائے رکھتی ہے۔ اگر ہم یہ جاننے سے انکار کر دیں کہ اسلامی دنیا یورپ کی مادی ثقافت کو اپنی اقدار اور طرزِ حیات کے لیے خطرہ تصور کرتی ہے' تو اس سے ہمیں نقصان زیادہ اور فائدے کم ہوں گے۔ اسی طرح بعض اسلامی اقدار کے بارہ میں یورپی لوگوں کے ردِّ عمل کا اسلامی دنیا میں سمجھا جانا ضروری ہے۔

بنیاد پرستی اور انتہا پسندی

ہمیں بنیاد پرستی کے لیبل کے بارہ میں بھی محتاط ہونا چاہیے۔ ہمیں احیائے اسلام کے ان علمبرداروں میں' جو اپنے مذہب پر مکمل طور پر عمل کرنا چاہتے ہیں' اور ان جنونی انتہا پسندوں میں فرق کرنا چاہیے جو اس تعلق کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ احیائے اسلام کو تحریک درحقیقت اس احساس سے ملی ہے کہ مغرب نے جو کچھ مادی حوالے سے دیا ہے وہ ناکافی ہے' اور حقیقی معنوں میں زندگی کو تسکین دراصل اسلامی عقیدہ ہی سے ملتی ہے۔

ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ انتہا پسندی کچھ مسلمانوں کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے۔ عیسائیت سمیت یہ دوسرے مذاہب میں بھی موجود ہے۔ مسلمانوں کی عظیم اکثریت' جو ذاتی طور پر نیک ہے' سیاست میں معتدل روش اختیار کرتی ہے۔ پیغمبرِ اسلام خود انتہاپسندی کو ناپسند کرتے تھے۔ یہ مذہب " اعتدال کا مذہب" ہے۔

مغربی تہذیب کی تعمیر میں اسلام کا حصہ

ہماری تہذیب اور تمدن پر اسلامی دنیا کے جو احسانات ہیں' ہم ان سے بڑی حد تک ناواقف ہیں۔ وسطِ ایشیا سے بحرِ اوقیانوس کے ساحلوں تک پھیلی ہوئی اسلامی دنیا علم و دانش کا گہوارہ تھی۔

لیکن اسلام کو ایک دشمن مذہب اور اجنبی تہذیب قرار دینے کی وجہ سے ہمارے اندر اپنی تاریخ پر اس کے اثرات کو نظرانداز کرنے یا مٹانے کا رجحان رہا۔ ہم نے اسپین میں مسلمانوں کی ۸۰۰ برس کی تہذیب کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا۔ مغرب میں احیائے تہذیب کی تحریک پر مسلم اسپین نے گہرے اثرات ڈالے۔ یہاں علوم کی ترقی سے یورپ نے صدیوں بعد تک فائدہ اٹھایا۔

دسویں صدی میں قرطبہ یورپ کا مہذب ترین شہر تھا۔ حکمران کی لائبریری میں موجود چار لاکھ کتب، پورے یورپ کی لائبریریوں کی کتب کی تعداد سے زائد تھیں۔ یہ اس لیے ممکن ہوا کہ غیرمسلم یورپ سے چار سو سال پہلے مسلمانوں نے چین سے کاغذ بنانے کی مہارت حاصل کر لی تھی۔ جدید یورپ آج جن باتوں پر فخر کرتا ہے، اس نے مسلم اسپین سے حاصل کیں: سفارت کاری، آزاد تجارت، کھلی سرحدیں، علمی تحقیق کے طریقے، ایٹی کیٹ، فیشن، ہسپتال، ادویات، سب کچھ اس عظیم شہر سے ہی آتے تھے۔

اپنے وقت میں، اسلام رواداری کا مذہب تھا، جس نے یہودیوں اور عیسائیوں کو ان کے عقاید کے مطابق عمل کی آزادی دی، اور ایسی مثال پیش کی جس پر بدقسمتی سے کئی صدیوں تک یورپ عمل نہ کر سکا۔

یہ بات حیرت ناک ہے کہ اسلام کو یورپ میں ـــــ پہلے اسپین میں، اور پھر بلقان میں ـــــ اتنا طویل عرصہ دخل رہا۔ اس نے ہماری تہذیب کی تعمیر میں، جسے ہم اکثر غلطی سے صرف مغربی قرار دیتے ہیں، اپنا حصہ ادا کیا۔ دراصل اسلام ہمارے ماضی اور حال کا حصہ ہے، اس نے جدید یورپ کی تعمیر میں اپنا حصہ ادا کیا ہے۔ اسلام ہمارا ورثہ ہے۔

اسلام ہمیں کیا دے سکتا ہے؟

اس دنیا میں مل جل کر رہنے کے لیے اسلام کے دامن میں وہ کچھ ہے جو اب عیسائیت کے پاس نہیں ہے۔ اسلام کا کائنات اور انسان کا تصور ایک جامع، ہمہ گیر تصور ہے، جو زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ اسلام میں پوری زندگی ایک اکائی ہے، مغرب کی ساری ترقی یک رخی ہے۔ اگر ہم نے زندگی کے ہمہ جہتی انداز کو نہ سمجھا تو ہو سکتا ہے کہ ہم اس دھارے میں بہہ جائیں۔ جہاں ہمارا علم ہمیں محض کارِ جہاں سکھائے، اور ہم دنیا کے حسن اور توازن کو بگاڑ دیں۔ دنیا کے بارہ میں احساسِ مسئولیت اور اس کی نگرانی و بہبود کی ذمہ داری کا جو تصور اسلام نے دیا ہے، ہم مغرب میں اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ زندگی کے مادی اور روحانی پہلو میں جو توازن ہم کھو چکے ہیں، وہ ہمیں دوبارہ حاصل کرنا ہے۔ یہ نہ ہوا تو ہم تباہی تک پہنچ جائیں گے۔

آج کے عالمی مسائل اور باہمی تعاون کی ضرورت

آج ہم رسل و رسائل و ابلاغ کی ایک ایسی دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں' جس کا تصور بھی ہمارے آباواجداد نہ کر سکتے تھے۔ عالمی معیشت باہم منحصر ایک وحدت کی حیثیت سے کام کرتی ہے۔ معاشرہ کے مسائل' زندگی کا معیار' ماحول' یہ سب اپنے اسباب و نتائج کے حوالہ سے عالمی نوعیت اختیار کر چکے ہیں۔ ہم میں کوئی صرف خود انھیں حل نہیں کر سکتا۔ اسلامی اور مغربی دنیا کو مشترک مسائل کا سامنا ہے۔ ہم اپنے معاشروں میں آنے والی تبدیلیوں سے کس طرح اپنے آپ کو ہم آہنگ کرتے ہیں؟ ہم ان نوجوانوں کی کیا مدد کر سکتے ہیں جو معاشرہ کی اقدار اور والدین سے دور ہونے کا احساس رکھتے ہیں؟ ہم منشیات' ایڈز اور خاندانی نظام کے بکھر جانے کا کس طرح مقابلہ کرتے ہیں؟ ہمارے اندرون شہر کے مسائل قاہرہ اور دمشق کے مسائل کی طرح نہیں ہیں' لیکن انسانی تجربات میں مماثلت ضرور ہے۔ منشیات کا بین الاقوامی کاروبار' اور ماحول کو ہم جو نقصان پہنچا رہے ہیں' یہ بھی ہمارے مشترک مسائل ہیں۔

جس طرح بھی ہو' ہمیں ایک دوسرے کو سمجھنا ہوگا۔ ہمیں اپنے بچوں کو درست تعلیم دینا ہو گی' تاکہ ان کا نقطۂ نظر اور سوچ ہم سے مختلف ہو اور وہ ایک دوسرے کو سمجھیں۔

مشترک مسائل کے حل کے سلسلہ میں اسلامی اور مغربی دنیا ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتے۔ ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے' اور نہ مناسب' کہ ماضی کی سیاست اور علاقائی تلخیوں کو دوبارہ زندہ کریں۔ ہمیں اپنے تجربات میں ایک دوسرے کو شریک کرنا ہوگا۔ باہم تبادلۂ خیال کرنا ہو گا۔ ثقافتی ورثہ میں جو کچھ مشترک ہے' اسے اپنانا ہوگا۔ ہمیں "تدبر" کی اہمیت کو محسوس کرنا ہو گا' تاکہ ہمارے ذہن کشادہ ہوں اور دلوں کے قفل بھی کھلیں۔

یقیناً عالم اسلام اور مغرب ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہیں۔ ضروری نہیں کہ ان میں تصادم ہو۔ اسلام اور مغرب ایک دوسرے کو بہت کچھ دے سکتے ہیں۔

ہم دونوں کو مل کر بہت کچھ کرنا ہے۔ باہمی نفرت کو ختم کرنے اور خوف و بداعتمادی کی لعنت کو دور کرنے کے لیے ابھی بہت کچھ کیا جانا ہے۔ ہم اس راہ پر جتنا آگے بڑھیں گے' آنے والی نسلوں کے لیے اتنی ہی بہتر دنیا بنا سکیں گے۔